مغلیہ دور میں وحدت ادیان کی اہم کاوشیں اور ان کے اثرات: (ایک تحقیقی جائزہ)

Major Efforts of Unification of Religions in the Mughal Era and their Impacts

(A Research Review)

ڈاکٹر نادیہ عالم [1]

پروفیسر ڈاکٹر علی اکبر الازہری [2]

ABSTRACT

Soon after the arrival of Islam in India, it began emerging as a strong power through the work of Muslim Scholars and Sufis. To minimize its strength, various efforts were made by several Hindu reformers to either assimilate it with other regional religions or unify it with other religions to promote the so-called concept of "peace & love for all". These efforts gave rise to different religions and movements, most important of which are Sikhism and Bhakti Movement. Although they began with the benign objectives to weaken the power of Islam and assimilate it with other religions to prevent more conversions, with the passage of time the nature of these movements became clearly anti-Islamic and hostile. Similarly, the ideologies of Akbar and Dara Shikoh gave rise to Din-e-Ilahi and the un-Islamic concepts of unification of religions and peace & love for all. The article in hand presents an overview of the propagators of these anti-Islamic efforts, their popularity and impacts on the Muslim society in India during the Mughal period. The aim is to provide a historical context of such movements and the efforts made by Muslim scholars to combat these insurgencies in order to provide guidance to the Muslims in the present era where print, electronic and social media have made false and misleading information very easily accessible to all. It can be witnessed even now that on these media the propagators of such concepts are derailing the people by saying that goodness and piety do not belong to any particular religion. Allah and Ram are the names of one personality and goal of life is the same irrespective of any religion.

Keywords: Unification of religions, Mughal period, Muslim Scholars, Hindu reformers

[1] لیکچرر، پنجاب یونیورسٹی

[2] شعبہ اسلامیات، گیریژن یونیورسٹی، لاہور

اسلام جب ہندوستان کے مختلف النسل اور مختلف الادیان خطے میں وارد ہو کر اپنی جگہ بنانے لگا تو یہاں اسلام کی قبولیت کے علاوہ اس کی مخالفت کے ساتھ مختلف وجوہات کی بناپر صلح کل اور اتحاد مذاہب کی مختلف کوششیں کی گئیں۔ کئی ہندو مصلحین نے اسلام کے اس غلبے اور مقبولیت پر بندھ باندھنے کے لیے اپنے مذھب میں نرمی اور لچک پیدا کی۔ کچھ مصلحین نے اسلام کی آفاقی خصوصیات میں سے کچھ خصائص کو اپنے مذھب میں سمو کر وحدت ادیان کا تصور پیش کیا اور ہندوؤں کو اسلام میں داخل ہونے سے روکنے کی بھرپور کوششیں کیں۔ اس سلسلے میں تحاریک بھی چلائیں گئیں جن کے نتیجے میں کچھ نئے مذاہب کا اجرا ہوا۔ ان میں زیادہ نمایاں اور اہم بھگتی کی تحریک اور سکھ مت ہیں۔ گو پہلے پہل ان کوششوں کا مقصد یہی تھا کہ اسلام کی بڑھتی ہوئی مقبولیت کو کسی طرح کم کیا جائے اور اس کی بہترین خصوصیات کو لے کر انہیں اپنے مذاہب میں پیش کیا جائے۔ مگر وقت کے ساتھ ساتھ ان تحاریک کے مقاصد و اغراض میں تبدیلی آتی گئی اور یہ بتدریج جارحانہ اور اسلام مخالف طور پر ابھریں۔ اس کے علاوہ کچھ لوگوں نے یہ چاہا کہ معاشرے میں موجود انتشار اور افتراق کی فضا کو ختم کر کے امن و آشتی کی فضا پیدا کرنے کے لئے مختلف مذاہب کی اچھی باتوں کو جمع کیا جائے اور ہندوستان کے لوگوں کو مذہبِ انسانیت پر یکجا کیا جائے۔ مغل بادشاہ اکبر اور اس کے پوتے داراشکوہ نے بھی مختلف وجوہات کی بناپر صلح کل، اتحاد مذاہب یا وحدت ادیان کی کوششیں کیں۔ اس مختصر مقالے میں ان اہم کوششوں کے داعیوں، ان کی تحاریک کی قبولیت اور ان کے اثرات کا جائزہ لیا گیا ہے جن کے مسلم معاشرے پر گہرے اور منفی اثرات مرتب ہوئے۔ نتیجتاً سادہ لوح اور کم علم مسلمان اپنی دینی بنیادی تعلیمات سے دور ہوئے۔ شریعت کی اہمیت کم ہوئی اور معاشرے میں ہندوانہ رسوم ورواج کا فروغ ہوا۔

اتحاد مذاہب کے معروف داعی

سلطنت دہلی کے عہد میں کئی ہندو مصلحین نے ہندومت کو اسلام کے غلبے سے بچانے اور لوگوں کو ہندومت کی طرف راغب کرنے کے لیے اس میں کئی اہم اصلاحات کیں۔ انہوں نے اسلامی فطری تعلیمات کو اپنے مذہب میں شامل کر کے انہیں مقبول عام بنانے کی کوششیں کیں۔ اسے سادہ اور ہر انسان کے لیے قابل قبول بنانے کی جدوجہد کی۔ گو کئی اور وجوہات بھی ہوں گی مگر تاریخ کا اور ان مصلحین کی تعلیمات کا مطالعہ کرنے سے یہ بات صاف ظاہر ہوتی ہے کہ انہوں نے اپنی تعلیمات میں بہت کچھ اسلام سے مستعار لیا تھا۔ ان میں اہم شخصیات مثلاً شنکر اچاریہ، سوامی رامانج، سوامی رامانند، کبیر، دادو دیال اور نانک جیسے بڑے مذہبی پیشوا اور راہنما شامل ہیں۔ ان کے علاوہ بھی کئی لوگوں نے پر اسلام کے ساتھ دیگر مذاہب کی تعلیمات کو عام کیا اور اتحاد مذاہب یا وحدت ادیان کے لیے کام کیا مگر ان کی یہ کوششیں علاقائی اور نسبتاً چھوٹے پیمانے تک محدود رہیں۔ جن کا مختصر ذکر مقالہ کے آخر میں شامل ہے۔

سوامی رامانند (۱۳۶۶ء-۱۴۷۰ء)

سوامی رامانند کو بھگتی تحریک کا حقیقی بانی قرار دیا جاتا ہے۔ رامانند کے ذریعے بھگتی تحریک جنوب سے شمال پہنچی۔ وہ برہمن تھا اور پریاگ (الہ آباد کا قدیم نام) میں پیدا ہوا۔ پریاگ اور بنارس میں علم حاصل کیا۔ (بنارس اس وقت ہندو علوم و فنون کا مرکز مانا جاتا تھا) ایک جنوبی ہند کے ویدنتی [1] معلم کی شاگردی اختیار کی۔ رامانج کے فرقے میں شامل ہوا۔ [2] پھر شنکر اچاریہ [3] اور رامانج کی تحاریک کا گہرا مطالعہ کیا اور انہی کی طرز پر اپنی تعلیمات کو آگے بڑھایا۔ اس نے اپنے استاد کی تعلیمات سے اس کے مسلم رجحانات کو جذب کر لیا۔ بنارس میں اس نے کئی مسلمان علماء سے رابطے کئے یوں اس کے مسلم رجحانات کو مزید تقویت پہنچی۔ وہ ذات پات کے بغیر صرف بھگتی کی تعلیم دیتا۔ نسلی

تعصب اور بت پرستی کے خلاف تھا اور اپنی سمجھ کے مطابق توحید کی تعلیم دیتا تھا۔ بعد میں اس کے شاگردوں مثلاً سورداس، تلسی داس، بھگت کبیر جے دیو اور ناواجی وغیرہ نے اس کی تحریک کو آگے بڑھایا اور تاریخ میں معروف ہوئے۔ ([4])

کبیر (۱۴۲۵ء-۱۵۱۸ء)

شمالی ہند میں بھگتی تحریک کی اشاعت سوامی رامانند کی مرہون منت مانی جاتی ہے اور رامانند کے چیلوں میں سب سے زیادہ شہرت کبیر کو حاصل ہوئی۔ برصغیر کی مذہبی فکری تاریخ میں کبیر کو ایک اہم مقام حاصل ہے۔ اس کے ذریعے اس عقیدے کا اظہار انتہائی پرزور اور زیادہ مؤثر انداز میں ہوا۔ کبیر کے مطابق ہندومت اور اسلام خدا پر ایمان لانے میں متحد ہو سکتے ہیں اور یہ کہ مذہبی برادری، مذہبی رسومات یا مسائل دینیات کی بناپر تقسیم کوئی اہمیت نہیں رکھتی۔ ([5]) کبیر کا تعلق ایک برہمن گھرانے سے تھا۔ اس کی بیوہ ماں بنارس ([6]) کے ایک تالاب کے کنارے چھوڑ کر چلی گئی تھی۔ اسے ایک مسلمان جولاہے نے بیٹا بنا کر پالا اور اپنا کام سکھا دیا۔ بنارس ہندوؤں کا ایک قدیم متبرک شہر جس میں سو سے زائد مندر ہیں۔ یہ ایک عظیم اور فکری مرکز بھی رہا ہے۔ اس وقت بھی یہاں علمی و مذہبی سرگرمیاں عروج پر تھیں۔ جہاں ایک جانب ہندومت کے ماہرین علوم کی درس و تدریس اور بحث و تمحیص میں مشغول رہتے تو دوسری طرف مسلمان اہل علم اپنے ذکر و فکر میں مصروف تھے۔ کبیر نے ان دونوں گروہوں کے اثرات اخذ کئے۔ کبیر نے انسانیت کو ہر چیز سے مقدم قرار دیا۔ ڈاکٹر تاراچند کبیر کے بارے میں لکھتے ہیں کہ:

> "وہ (کبیر) زبردست تنبیہ کرنے والے اور راہ حق کے انتھک متلاشی ہیں۔ ہندو اور مسلمان قوموں کے اتحاد کے پرجوش حامی ہیں اور انسانیت کے نمائندہ مذہب کے پیغمبر ہیں۔ ان کی تعلیم ہے کہ: "الوہیت نے اپنا مظاہرہ تمام نوع انسانی میں بحیثیت مجموعی کیا ہے" ([7])

کبیر نے رامانند بیراگی سے ہندو فلسفہ کے حصول کے ساتھ مختلف علاقوں کی سیاحت کر کے صوفیاً کرام سے نکات معرفت سیکھے۔ پھر واپس وطن آکر بھگتی پرچار میں مشغول ہوا۔ ہندو اور مسلمانوں دونوں اسے اپنے اپنے مذہب کا پیرو ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں۔ اس کے افکار کے دو اہم نکتے تھے وہ۔

1. ذات پات کے نظام کے خلاف تھا۔
2. تزکیہ روح اور خدا کی جستجو کا نظریہ رکھتا تھا۔

اس کے عقائد میں واضح طور پر صوفیانہ جھلک ملتی تھی۔ اس کے دوہے آج تک مشہور اور زبان زد عام ہیں۔ اس کی تحریروں اور نظریات میں عقیدہ وحدۃ الوجود نمایاں نظر آتا تھا۔ اس نے اسلام اور ہندومت کو ایک تنے سے مشابہ قرار دیا جو دو شاخوں کے درمیان سے نکلتا ہے۔

دادو دیال (۱۵۴۴ء-۱۶۰۳ء)

کبیر کے ان خیالات کی پرزور اور شدت سے پیروی دادو دیال (۱۵۴۴ء-۱۶۰۳ء) نے کی۔ دادو دیال، عہد اکبری میں مشہور ہوا۔ یہ گجرات احمد آباد کا رہنے والا تھا۔ اکثر صوفیاً کرام کی صحبت میں رہتا۔ دادو سلسلہ سہروردیہ کے تصور "نور الٰہی" سے خصوصاً بہت متاثر تھا۔ طریقہ صوفیہ کو قبول کرنے میں کبیر سے کہیں زیادہ حریص تھا۔ اسے ہندو مسلمانوں میں کوئی فرق نظر نہیں آتا تھا۔ اس کے نزدیک دونوں ایک ہی خدا کی پرستش کرتے ہیں اور رام، رحیم، کشور اور کریم ایک ہی بزرگ ہستی کے مختلف نام ہیں۔ اس نے وحدت پرستی کی

تلقین کی اور بت پرستی سے منع کیا۔ بھگتی تحریک کو آگے بڑھایا۔ ذات پات کے بندھن، تیرتھ، برت وغیرہ کے تصور کی سختی سے مخالفت کی۔ اس کے پیرو اس کی نسبت سے دادو پنتھی اور اس کی کتاب "دادو پنتھی گرنتھ" کہلانے لگے۔ یوں اسے بھگتی تحریک کے اہم راہنما ہونے کے ساتھ ایک نئے مذہب یا فرقے "دادو پنتھی" کا بانی بھی کہا جاتا ہے۔ اس نے صبر و رضا کی تعلیم دی۔ خود اتحاد مذاہب کا داعی تھا مگر اس کے ماننے والے دادو پنتھی بعد میں بیراگیوں اور سکھوں کے زیر اثر باقاعدہ عسکری جتھہ بنے اور غارت گری وڈاکہ زنی شروع کر دی۔([8]) یوں معاشرے میں صلح کل سے امن و آشتی لانے کی بجائے فساد و انتشار اور انار کی کا سبب بنے۔

جلال الدین اکبر (۹۶۳ھ-۱۰۱۴ھ):

مغل سلطنت کا تیسرا اور ہندوستان میں مضبوط اور طویل عرصے تک حکومت کرنے والا حکمران جلال الدین محمد اکبر (۹۶۳ھ-۱۰۱۴ھ) تھا۔ ہمایوں (۱۵۳۰ء-۱۵۵۶ء) کے نامساعد حالات کی وجہ سے اکبر کی پیدائش اور ابتدائی پرورش بہت نامساعد حالات میں ہوئی جس کی وجہ سے وہ اپنے آباء کی طرح علم حاصل نہیں کر سکا۔ اسے چودہ سال کی عمر میں ہی اقتدار مل گیا تھا۔ اس وقت وہ ایک سادہ، روایتی، پرجوش مسلمان اور شرعی احکام کے اجراء میں کوشاں رہنے والا نوجوان بادشاہ تھا۔ پھر کئی وجوہات کی بنا پر اس کا طرز عمل تبدیل ہوتا گیا۔ پھر اپنے دور اقتدار میں اکبر نے ایسا رویہ اپنایا اور اس نہج پر حکومت کی کہ اسے صلح کل اور اتحاد مذاہب کا بڑا ماننے والا اور اس پر عمل کرنے والا کہا جاسکتا ہے۔ اس کی مطلق العنانی اس کام میں بہت معاون و مدد ثابت ہوئی۔ ۱۵۵۹ء میں ملکی اختیارات کا مکمل اپنے اختیار میں لینے کے بعد نظم سلطنت میں اکبر کی صلح کل کی پالیسی نمایاں نظر آتی ہے۔ تاریخ دان اس کی دو بڑی وجوہات بیان کرتے ہیں۔

1. مذہبی
2. سیاسی

مذہبی: اکبر نے اپنے مذہبی ذوق کے زیر اثر شیخ سلیم چشتیؒ کی خانقاہ کے قریب عبادت خانہ نامی عمارت بنوائی۔ جس میں علمی و مذہبی مجالس کا اہتمام کیا جاتا تھا۔ مگر ذاتی طور پر اسلامی تعلیمات سے ناواقفیت کے باعث علمائے سو کی کج بحثی، مختلف مذاہب کے تقابل اور طویل ولایعنی مناظروں نے اس پر بہت منفی اثرات مرتب کئے۔ پھر جاہ پرست علماء خصوصاً ملا مبارک اور اس کے بیٹوں جیسے علمائے سو کے زیر اثر دنیا پرستی کی طرف متوجہ اور اسلامی تعلیمات سے برگشتہ ہوا۔ بالآخر ہندوؤں کے قرب سے پیدا شدہ پراگندہ ماحول میں رفتہ رفتہ وہ اسلام سے بغاوت کر بیٹھا اور دین الٰہی کا موجد بنا۔ اکبر کے مزاج میں ابو الفضل کا بہت دخل تھا۔ مورخین نے اس کی دینی بے راہ روی کے بارے میں کافی کچھ لکھا ہے۔ ابو الفضل نے آئین اکبری میں اکبر کی عادات اطوار اور اس کے خیالات پر بھی مکمل روشنی ڈالی ہے۔ دیباچے میں ابو الفضل نے ہندوؤں کو بڑی تاکید و اصرار سے موحد لکھا ہے۔ جس سے اکبر کا ہندوؤں اور ہندومت کے بارے میں رویہ بخوبی سمجھ آتا ہے۔ ابو الفضل لکھتا ہے:

> "اس قدر کدوکاوش کے بعد مجھ پر یہ بات بخوبی ثابت ہوگئی کہ یہ جو عوام میں ہندوؤں کو متعدد خداؤں کا قائل ٹھہرایا جاتا ہے یہ غلط ہے۔ اگرچہ کچھ مسائل میں توحید کی مخالفت نظر آتی ہے۔ مگر اس قوم کی وحدت گزینی اور خدا پرستی تمام وکمال طریقے سے پائی جاتی ہے"([9])

بدایونی اکبر کی بے دینی کے بہت سے اسباب میں سے سب سے پہلا اور بڑا سبب "وحدت ادیان کا تصور" گردانتا ہے:

"مراۂ ضمیر و گنجینہ خیال ارسام یافت و از هیات مجموعی این قدر کالنّقش فی الحجر مقرر شد کہ عقلا در همہ ادیان موجود و مهیایند و ارباب ریاضت و کشف --- و ترجیح بلا مرجع"([10])

(مجموعی طور پر ایک خیال اکبر کے ذہن پر پتھر کی لکیر بن گیا تھا کہ تمام مذاہب میں عالم و دانشور موجود ہیں اور ہر قوم و ملت میں عبادت گزار اور اصحاب کشف و کرامت کی کمی نہیں ہے۔ اس لیے حق ہر مذہب اور ہر قوم میں یکساں طور پر موجود ہے۔ اس لیے حق کو صرف ایک ایسے دین (اسلام) میں جو نسبتاً نیا ہے اور اس کے نزول کو ابھی ایک ہزار سال بھی نہیں گزرے، میں محدود کر دینا ضروری نہیں۔ اس لیے ایک دین کا انکار اور دوسرے کا اقرار اور بغیر کسی سبب کے ایک کو دوسرے پر ترجیح دینا کسی طور بھی معقول و مناسب نہیں ہے)

سیاسی: کئی مؤرخین کے مطابق اکبر کی وحدت ادیان یا صلح کل کی پالیسی مذہبی وجہ سے نہیں بلکہ صرف سیاسی استحکام کے لیے تھی۔ اس نے یہ سب کچھ اپنی حکومت کو مضبوط رکھنے کے لیے کیا کہ ہندو جو ہندوستان میں اکثریت میں ہیں وہ اس سے راضی رہیں۔ اس کے لیے وہ یہ دلیل دیتے ہیں کہ اکبر کے دادا، سلطنتِ مغلیہ کے بانی بابر (۸۸۸ھ-۹۳۷ھ) نے جب ہندوستان میں حکومت قائم کی تو اس نے بھی ایک کامیاب اور مستحکم حکومت کے قیام کا بنیادی اصول صلح کل کی پالیسی کو گردانا تھا۔ وہ خود تو ہندوستان پر زیادہ عرصہ حکومت نہیں کر سکا تھا۔ مگر اس نے اپنے بیٹے و جانشین ہمایوں کو ہندوستان میں حکومت کرنے کے بارے میں ایک واضح وصیت کی کہ:۔

"ہندوستان میں مختلف مذاہب کے لوگ رہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی عنایت ہے کہ اس نے تمہیں اس ملک کا بادشاہ بنایا ہے۔ اپنی بادشاہی میں تمہیں یہ خیال رکھنا چاہیے کہ مذہبی تعصب کو دل میں جگہ نہ دو اور لوگوں کے مذہبی جذبات اور رسوم کا خیال رکھتے ہوئے کسی رو رعایت کے بغیر سب سے انصاف کرو۔ بالخصوص گاؤ کشی سے پرہیز کرو تاکہ تمہیں لوگوں کے دل میں جگہ مل جائے۔ اس طرح وہ احسان و شکر کی زنجیر سے تمہارے مطیع ہو جائیں گے۔ تمہیں کوئی عبادت گاہ مسمار نہیں کرنی چاہیے اور ہمیشہ سب سے انصاف کرنا چاہیے تاکہ بادشاہ اور رعیت کے تعلقات دوستانہ ہوں اور ملک میں امن رہے۔ اس کام کی اشاعت کے لئے ظلم و ستم کی تلوار کے مقابلے میں لطف و احسان کی تلوار بہتر ہو گی۔ شیعہ سنی اختلافات کو ہمیشہ نظر انداز کرتے رہو کیونکہ اس سے اسلام کمزور ہو جائے گا۔"(11)

ہمایوں کو تو باپ کی وصیت پر عمل کرنے کا موقع نہیں مل پایا۔ ہاں اکبر نے دادا کی اس وصیت پر تمام عہد حکومت میں مکمل طور عمل کیا۔ لیکن شریعت اسلامی سے ذاتی طور پر ناواقفیت اور اپنے گرد اچھے علماء کی غیر موجودگی کی وجہ سے وہ اسلام کی تعلیمات سے ہی ہٹ گیا۔

اکبر کا دین الٰہی:

۹۸۷ھ / ۱۵۷۹ء میں گمراہ شیخ مبارک اور اس کے بیٹے ابوالفضل نے اکبر کے لیے ایک گمراہ کن "محضر نامہ" جاری کیا۔ جس میں بادشاہ کو امام مجتہد، واجب الاطاعت اور خلیفۃ اللہ قرار دیا گیا۔(12) دربار میں اس کے سامنے سجدہ تعظیمی لازمی قرار پایا۔ اس وقت اسلامی دوسرے نئے ہزار سال کا آغاز ہو رہا تھا۔ کئی لوگ یہ نظریہ پھیلا رہے تھے کہ نئے ہزاریے سے دنیا کی نئی عمر شروع ہو گی، جس کے لیے نیا دین، نیا آئین، نیا شارع اور ایک نیا حاکم چاہیے۔ اکبری دربار میں بھی یہ نظریہ پہنچا۔ خوشامدی حواریوں نے اکبر کو یقین دلایا کہ نئے ہزاریے میں اصلاح و راہنمائی کے لیے اکبر جیسے بادشاہ، عاقل اور امام عادل سے بڑھ کر اور کوئی موزوں نہیں ہے۔ اکبر کو اپنے لیے یہ خیال بہت ہی پسند آیا۔(13) یوں اکبر نے ان گمراہ اور گمراہ کن لوگوں کی مدد سے اپنی بادشاہت کے اٹھائیسویں سال ۹۹۰ھ / ۱۵۸۲ء ایک نئی شریعت یا دین "دین الٰہی" قائم کیا۔ جو بعد میں دین اکبری کے نام سے مشہور ہوا۔ دین الٰہی میں ہر مذہب کے خلاصہ کو شامل کیا گیا۔ اس دین میں رواداری، صلح کل اور مذاہب کی مساویانہ تعلیمات کی شمولیت کا دعویٰ تھا۔(14) مگر تاریخ شاہد ہے کہ اکبری قوانین اسلام سے زیادہ ہندو مت کی حمایت و موافقت میں تھے۔

مجموعی طور پر دیکھا جائے تو اکبر کی اس روش کے پیچھے تصوف کا غلط فہم، بھگتی تحریک کے اثرات، ہندوستان کا مخصوص سیاسی ماحول اور آبائی وصیت کے ساتھ ایک اور سبب بھی یہ تھا کہ بابر و ہمایوں کے ساتھ وسط ایشیا کے سنی العقیدہ حنفی علماؤ حکام (جن کا اس سے واسطہ پڑا) کے منفی اور تکلیف دہ طرزِ عمل سے مایوس ہو کر اکبر ہندوؤں اور شیعہ پر زیادہ اعتماد کرنے لگا تھا۔ پھر اکبر کے خیال میں مملکت کے استحکام کا انحصار ہندو رعایا کی اطاعت اوران کی بھرپور حمایت سے ہی ممکن تھا۔ اس لیے اس نے اپنے طویل دور حکمرانی (تقریباً پچاس سال) صلح کل یا وحدت ادیان کے تصور کے ساتھ حکومت کی۔ بزرگان دین خصوصاً نقشبندی صوفیائے کرام نے (جن میں حضرت امام ربانی شیخ احمد سرہندی سر فہرست ہیں) اکبر کی وحدت ادیان کی کوشش کو مسلمانوں میں رائج ہونے سے بچایا۔ اس کی بھرپور مخالفت کی اور اسے معاشرے میں کامیاب نہیں ہونے دیا۔ یہی وجہ ہے کہ جب اکبر کا جانشین جہانگیر برسر اقتدار آیا تو اس نے ان محترم بزرگوں کے زیر اثر اکبر کے کئی خلاف شرع احکامات کی نفی کی اور خود کو بطور حکمران ایک راسخ العقیدہ سنی مسلمان ہونے کی حیثیت سے پیش کیا۔

شہزادہ دارا شکوہ (۱۰۲۴ھ-۱۰۶۹ھ)

دارا شکوہ پانچویں مغل بادشاہ شاہجہان (۱۰۳۷ھ-۱۰۶۸ھ) کا بڑا بیٹا تھا۔ وہ ۲۹-صفر ۱۰۲۴ھ / ۳۰-مارچ ۱۶۱۵ء کو عہد جہانگیری میں اجمیر میں پیدا ہو۔ اس کی ابتدائی تعلیم کے لئے مولانا عبد الطیف سلطان پوری (م ۱۰۴۲ھ)، ملا میرک ہروی (م ۱۰۷۰ھ) اور عبد الرشید دیلمی (م ۱۰۸۱ھ) جیسے اساتذہ کا تقرر کیا گیا۔ حضرت میاں میر قادری (۹۵۷ھ-۱۰۴۵ھ) کی خدمت میں حاضری سے اسے تصوف کی طرف شوق ہوا۔ حضرت میاں میرؒ۔ وہ غیر مسلموں سے کمال رواداری سے پیش آتے تھے۔ دارا شکوہ ان کے خیالات سے بے پناہ متاثر تھا۔ ان سے بیعت کرنا چاہتا تھا مگر ان کے انتقال کی وجہ سے اپنے اردے کی تکمیل نہیں کر سکا۔ [15]

پھر دارا نے ان کے خلیفہ ملا شاہ بدخشانیؒ (م ۱۰۶۹ھ / ۱۶۶۱ء) سے بیعت کی۔ ان کا بھی دیگر عقائد و مذاہب کے لوگوں کے بارے میں نظریہ اور رویہ رواداری اور انسان دوستی پر مبنی تھا۔ [16] جس سے دارا متاثر ہوا۔ اسی زمانے میں اس کے تعلقات آزاد خیال فلسفے کے دو نمائندوں شیخ محب اللہ بہاری (م ۱۰۵۸ھ) اور سرمد (م ۱۰۷۰ھ) سے استوار ہوئے۔ جس سے اس کی ذاتی آزاد خیالی اور غیر مسلموں کی طرف رجحان کو اور تقویت ملی۔ اس بات کا اظہار اس نے اپنے رسالے "حق نما" (سن تالیف ۱۰۵۲ھ) میں کیا ہے۔ [17] اب دارا شکوہ نے ایسی باتیں کرنا شروع کیں جو شریعت کی نظر میں قابلِ گرفت تھیں۔ چنانچہ اس پر اعتراضات ہونے لگے اگر اس کی تصانیف کی ترتیب کو دیکھیں تو اس سے اس بات کا بخوبی اظہار ہو رہا تھا کہ وہ بتدریج زندقہ والحاد کی راہ پر گامزن تھا۔ [18]

دارا نے اس امر کی تائید کے لئے کہ جو الفاظ حالتِ جذب میں کہے جائیں وہ قابل گرفت نہیں ہوتے، نبی کریم ﷺ اور اصحاب کبار رضوان اللہ تعالیٰ اجمعین کے صحیح اور موضوع اقوال اور مشہور مشائخ کرام کے وہ جملے جو انہوں نے حالت جذب میں کہے تھے، "شطحیات" یا "حسنات العارفین" نامی کتاب میں ۱۰۶۲ھ میں پیش کئے۔ [19] اس سے دارا نے یہ ظاہر کیا کہ وہ ایک ایسے درجہ پر پہنچ چکا ہے جہاں کفر و ایمان کا سوال باقی نہیں رہتا۔ اسی دوران کچھ ہندو ویدانتیوں (فلسفہ ویدنت جسے ہندی تصوف کہا جاتا ہے کو ماننے والے) چندر بھان برہمن اور خصوصاً کبیر کے پیرو بابا لال داس بیراگی (۱۳۵۵ء-۱۶۵۵ء) کی صحبت میں دارا شکوہ کے خیالات میں انقلابی تبدیلی آئی۔ ہندو یوگیوں اور سنیاسیوں سے میل جول کی وجہ سے اور ہندو علوم کے مطالعہ سے وہ ہندی فلسفہ ویدانت سے متاثر ہو چکا تھا۔ [20] اب دارا نے دوسرے مذاہب بالخصوص فلسفہ ویدانت کی چھان بین شروع کی جس کا پہلا نتیجہ "مجمع البحرین" کی صورت میں ۱۰۶۵ھ / ۱۶۵۴ء کو سامنے آیا۔ یہ کتاب مسلمان صوفیوں اور ہندو یوگیوں کے عقائد کا مجموعہ ہے۔ اس کے دیباچے میں لکھتا ہے:-

"جب فقیر کو حقیقت الحقائق اور صوفیائے کرام کے مذہب برحق کے رموز و حقائق معلوم ہو گئے اور یہ فقیر اس نعمت عظمیٰ پر فائز ہو گیا تو میں اس بات کے درپے ہوا کہ ہندو فقراء کا مشرب بھی دریافت کروں۔ چنانچہ اس قوم کے بعض محققوں سے بارہا گفتگو ہوئی اور میں نے ان کو خدا رسیدہ پایا۔ مجھے صوفیا اور جوگیوں میں سوائے لفظی اختلاف کے کوئی فرق معلوم نہیں ہوا۔ اس لیے میں نے فریقین کے کلام میں مطابقت پیدا کرنے کے لیے یہ رسالہ لکھا"([21])

اس مختصر رسالے میں دارا نے عناصر، حواس، صفات الٰہی، نبوت، ولایت اور عالم برزخ وغیرہ سے متعلق تصوف اور یوگ کے خیالات کو جمع کیا اور ان کو ایک دوسرے کے مطابق ثابت کیا۔([22]) مجمع البحرین میں دارا آخری تجزیے میں لکھتا ہے کہ ہندو مت اور اسلام باہم مل جاتے ہیں اور مسلم تصوف اور ہندو ویدانتی فلسفے میں کوئی حقیقی اور پائدار اختلاف موجود نہیں ہے۔ حقیقت میں ان میں صرف لسانیاتی اختلاف ہے جسے بآسانی دور کیا جا سکتا ہے۔ گویا دارا شکوہ وحدت ادیان پر کامل یقین رکھتا تھا۔([23]) صلح کل کا علمبردار ہونے کی بنا پر اس کے سکھ گروہر رائے (م۱۶۶۱ء) سے بھی بہت اچھے تعلقات تھے۔ تخت نشینی کی جنگ میں سکھوں کی ہمدردیاں "وسیع المشرب" دارا کے ساتھ تھیں۔([24]) دارا کے نزدیک قرآن ہی نہیں چاروں وید بھی الہامی تھے اور ان کے احکام "برہما" یعنی آدم صفی اللہ علیہ السلام پر نازم ہوئے تھے۔ اسے قرآن اور باقی تینوں الہامی کتابوں سے کئی باتوں کی سمجھ نہیں آئی تھی کیوں کہ وہ سب اجمالی کتب ہیں۔ پھر جب اس نے ہندوؤں کی کتاب "اپنکھت" کا مطالعہ کیا تو پھر ہی اسے باتوں کی ٹھیک سے سمجھ آئی کیوں کہ اس کے نزدیک بلاشک وشبہ "اپنکھت" ہی وہ پہلی آسمانی کتاب اور بحر توحید کا سرچشمہ ہے۔ اس نے اسے وہ روحانی سکون عطا کیا جس کا وہ متلاشی تھا۔([25])

دارا کی متنازعہ ترین اور اہم کتاب "سر اکبر"([26]) ہے۔ اس میں ہندو مذہبی کتاب اپنشد کا ترجمہ کیا ہے۔ اس کا آغاز بسم اللہ کی بجائے ہندو دیوتا گنیش کی تصویر سے کیا گیا۔([27]) کتاب کے دیباچہ سے معلوم ہوتا ہے کہ دارا شکوہ نے ایک مسلمان کی بجائے ہندو کی طرح بات کی ہے۔([28]) اسے "اپنشد" سے اتنی عقیدت ہو گئی تھی کہ وہ اس کو "کتاب قدیم، قرآن مجید کی اصل، اور کتاب مکنون" قرار دیتا ہے۔([29]) لکھتا ہے کہ بلاشک وشبہ یہ پہلی آسمانی کتاب، بحر توحید کا سرچشمہ، قدیم اور قرآن مجید کی آیت بلکہ تفسیر ہے۔([30]) اس کے خیالات اور رجحان کی ایک جھلک اس مکتوب میں نظر آتی ہے جو اس نے اپنے ایک مربی شاہ محمد دلربا کو تحریر کیا، لکھتا ہے:

الحمد للہ! کہ از برکتِ صحبتِ این طائفہ شریفۂ مکرمۂ معظمہ از دلِ این فقیر اسلام مجازی برخاست ۔۔۔ اکنون قدرِ کفر حقیقی دانستم زنار پوش و بت پرست بلکہ خود پرست و دیر نشین گشتم([31])

"انہی صوفیاء کی بدولت دل سے اسلام مجازی رخصت اور کفر حقیقی نمودار ہو رہا ہے اور انہی کی صحبتِ برکت سے کفر حقیقی کی صحیح قدر سمجھ آئی ہے۔ نتیجتاً اب صحیح معنوں میں زنار پوش، بت پرست بلکہ خود پرست دیر نشین بنا ہوں"

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ فلاسفہ اور بھگتی تحریک کے زیر اثر وحدت ادیان کی جو پالیسی اور رجحانات عہد اکبری میں عروج کو پہنچے تھے۔ ان کو دارا شکوہ کی وجہ سے تائید و تقویت حاصل ہوئی۔ اسی بنا پر کچھ مؤرخین دارا کو اکبر کا روحانی جانشین بھی لکھتے ہیں کیونکہ رواداری اور صلح کل کی حکمت عملی میں دونوں کے خیالات میں کوئی فرق نہیں۔ دارا کے وحدت ادیان کے اس خیال کے اثرات کچھ ہندو ذہنوں پر بھی مرتب ہوئے چنانچہ ایک ہندو گجراتی مصنف پیران ناتھ نے اپنی تصنیف "قلزم سروپ" میں قرآن اور ویدوں سے انتخاب پیش کئے اور یہ ثابت کرنے کی کوشش کی کہ ان میں باہم تضاد نہیں ہے۔([32]) اورنگ زیب عالمگیر نے دارا شکوہ کو شکست دینے کے ساتھ ساتھ اس کی وحدت ادیان کی کوشش کو بھی ناکام بنایا۔ جس میں اس کا ساتھ وقت کے بڑے اور اہم علمائے کرام اور صوفیائے عظام نے دیا۔

گرو نانک (۱۴۶۹ء-۱۵۳۹ء)

بھگتی خیالات نے پنجاب میں بھی اثر و نفوذ کیا۔ یہاں نانک (۱۴۶۹ء-۱۵۳۹ء) کا نام بہت اہم ہے۔ نانک گجرانوالہ کے بیدی کھتری خاندان میں تلونڈی نامی گاؤں میں پیدا ہوئے۔ بچپن سے ہی انہیں مذہبی کہانیوں سے بہت دلچسپی تھی۔ والد کلیان چند عرف کالو نے حصول تعلیم کے لیے انہیں ایک مسلمان معلم سید حسن کے پاس بھیجا۔ یوں بچپن سے ہی اسلامی عقائد و تعلیمات سے شناسا ہو گئے۔ جلد ہی وہ صوفیانہ کلام پڑھنے اور اس کا پنجابی میں ترجمہ کرنے لگے۔ پھر سنسکرت سیکھ کر اور ہندی مذہبی کتب کا علم بھی حاصل کیا۔ نانک کے بڑھتے ہوئے مذہبی و روحانی رجحان کی بنا پر باپ نے انہیں بڑی بہن نانکی کے ہاں سلطان پور بھیج دیا۔ گرو نانک نے اپنے ذاتی تجربے، ان سے حاصل ہونے والے مشاہدات اور نتائج کی بنیاد پر تبلیغ کی۔ اس کے لیے انہوں نے طویل سفر کئے اور عوام تک امن و آشتی کا پیغام پہنچایا۔

یہ بابا فرید الدین گنج شکرؒ (۱۱۷۵ء-۱۲۶۵ء) اور سید جلالا الدین بخاریؒ (۱۱۹۹ء-۱۲۹۱ء) کا زمانہ تھا۔ نانک نے ان سے ملاقاتیں کیں۔ خصوصاً وہ بابا فریدؒ سے بہت متاثر تھے۔ ان کی خود نوشت میں خود کو مسلمان ظاہر کر کے حج کرنا بھی ملتا ہے۔ اس وجہ سے ان کی تعلیمات و کلام میں اسلام کا اثر بہت واضح ہے۔ ان کا مقصد حیات ہندو مسلم اتحاد تھا۔ ان کے نظریے کے مطابق معاشرے کے زخموں کو مندمل کرنے کے لئے مذاہب کی باہمی نزاع و ختم کرنا ضروری ہے۔ کبیر کی پیروی میں نانک نے ہندوؤں اور مسلمانوں کے صحائف کو مسترد کر دیا تھا۔ ([33]) مگر کئی جگہ کبیر سے اختلاف بھی کیا ہے۔ ان کے نزدیک معاشرے میں رائج اوہام پسندی، ضعیف الاعتقادی، رسوم پرستی بے معنی باتیں تھیں۔ ان کا کہنا تھا کہ معرفت الٰہی کے بغیر ہر عبادت بے کار ہے۔ ([34]) نانک نے خود کو ایک راہنما کے طور پر ہی متعارف کروایا تھا۔ مگر بعد میں نانک کو گرو ([35]) کا درجہ دیا گیا۔ بلکہ پانچویں گرو ہر گوبند (۱۵۹۵ء-۱۶۴۴ء) نے تو انہیں خدا تک کا درجہ دے دیا تھا۔

ہندوستان میں وحدت ادیان کی معروف کوششیں

ہندوستان میں وحدت ادیان کی ان معروف کوششوں میں بھگتی کی تحریک اور سکھ مت زیادہ نمایاں اور معروف ہیں۔

بھگتی تحریک:

شروع میں بھگتی تحریک کا آغاز برہمنوں کی اجارہ داری اور ظلم کے خلاف ہوا تھا۔ جنوبی ہند کے الورا اور ادیار نامی دو برہمنوں نے گیتا اور دوسری مذہبی کتب کی تعلیمات کی بنیاد پر اسے محبت، عقیدت و خلوص کے مسلک کے طور پر پیش کیا۔ سلاطین دہلی کے زمانے میں صوفیائے کرام کی وسیع القلبی، اسلام کے اصول مساوات اور رواداری پر پیہم عمل نے بھی ہندوؤں کے سماجی طبقاتی نظام میں فروغِ اسلام کی راہ ہموار کر دی تھی۔ صوفیا کرام نے معاشرے میں مسلمانوں کے ساتھ ہندوؤں کے روابط اور یگانگت پیدا کرنے کے نکتہ پر خاص توجہ مرکوز کی تھی۔ جسے بھگتی تحریک کے بانیوں نے ایک خاص نہج اور شدت کے ساتھ اختیار کیا۔ یوں بھی کہا جا سکتا ہے کہ سلاطین دہلی کے عہد میں فروغ پانے والے سلسلوں میں انسانی محبت، مذہبی رواداری اور صلح کے نظریات کے فروغ کا ایک اہم نتیجہ "بھگتی تحریک" کی شکل میں ظاہر ہوا۔

اس عہد میں ہندوؤں کے معاشرتی نظام میں کئی نئے عقیدے اور فرقے پیدا ہوئے۔ ہندو مذہب میں تجدید کی تحریکیں پروان چڑھنے لگیں اور ہندو معاشرہ مدافعانہ طور پر مضبوط ہونے کی کوشش کرنے لگا۔ ہندو مت پر اسلام کے گہرے اثرات کے نتیجے میں خدا پرستی کا تصور اجاگر ہوا۔ اگر دیکھیں تو اس زمانے کے تقریباً سبھی ہندو راہنماؤں نے اپنے دیوتاؤں کا نام خواہ جو بھی رکھا ہو، انہوں نے تعلیم خدا و

توحید پرستی کی ہی دی ہے۔ جس سے بھگتی تحریک پر اسلام کے گہرے اثرات کا پتہ چلتا ہے۔ گو بھگتی کے پیرو مختلف دیوتاؤں کی پرستش کرتے ہیں۔ لیکن ان کا عقیدہ ہے کہ شِو ہو یا کرشن یا دیوی، سب ایک ہیں اور ہمیشہ رہنے والے ہیں۔ (36)

تحریک کی ابتدا تو بارہویں صدی میں جنوبی ہند میں ہوئی۔ مگر شمالی ہند میں یہ تحریک چودھویں، پندرھویں اور سولہویں صدی میں سوامی رامانج، سوامی رامانند، کبیر اور دادو دیال جیسے راہنماؤں کی وجہ سے آ کر بہت زیادہ مقبول ہوئی۔ جنہوں نے اسلام کی فطری تعلیمات سے متاثر ہو کر اسے قبول کرنے کی بجائے انہیں ہندو مت میں اصلاح و راہنمائی کے لیے پیش کیا اور ہندو مت کو مضبوط کرنے کی کوششیں کیں۔ بنیادی طور پر یہ سب مصلح ہندوستان کے ذات پات کے بڑے معاشرے میں سماجی اصلاح کے خواہاں تھے۔ انہوں نے طبقاتی اونچ نیچ کے خلاف مسلسل آواز اٹھائی اور انسان اور اس کے خالق کی باہمی محبت کا پرچار کیا۔ جس کے نتیجے میں ہندو دھرم میں کچھ وسیع الخیالی پیدا ہوئی۔ اس کے اثرات اتنے تھے کہ ایک وقت میں لگتا تھا کہ ہندوستان سے ذات پات کی تفریق کا خاتمہ ہو جائے گا مگر جلد ہی ہندو برہمنوں نے اپنا روایتی کردار ادا کیا اور بھگتی کو ایک اصلاحی تحریک کی بجائے ہندو دھرم کا ایک جزو بنا لیا۔ اب اس تحریک کی وجہ سے زبان و ادب اور فنون میں جو مثبت تبدیلیاں آئی تھیں انہیں معاشرتی اصلاح اور امن و سکون کی بجائے صرف ہندو دھرم کے فروغ کے لیے استعمال کیا جانے لگا۔

سکھ مت

سکھ مت بنیادی طور پر دو مذاہب اسلام اور ہندو مت کا ملغوبہ ہے۔ سکھ کے معنیٰ شاگرد یا مرید کے ہیں۔ ہر وہ شخص سکھ کہلاتا ہے جو خود کو دس گروؤں کا شاگرد مانے اور ان کی تعلیمات پر عمل کرے۔ کچھ لوگوں کے نزدیک سکھ مت ایک مذہب کی تعریف پر پورا نہیں اترتا۔ کیونکہ اس میں عقائد کی تفصیل اور معاملات کی کوئی تشریح موجود نہیں۔ ان کے نزدیک یہ ہندو مت کی صرف ایک اصلاحی تحریک تھی جو ہندی معاشرے میں ایک اصلاح کی خواہش مند تھی۔ (37) تاریخ کا بغور مطالعہ کرنے سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ گرو نانک بھی بھگتی تاریخ کا حصہ تھے اور اسی کو عام کرنا چاہتے تھے۔ یہ بھی بھگتی تحریک کے دوسرے راہنماؤں کی مانند ہندو مسلم اتحاد کے حامی تھے۔ سکھ مت میں نانک کو پہلا گرو مانا گیا۔ پھر ان کے بعد نو اور گروؤں کو مانا جاتا ہے۔ سکھ مت یہ کل دس گرو ہیں جن کی تعلیمات پر عمل ہوتا ہے۔ ان کی مذہبی کتاب "گرنتھ صاحب" ہے۔ گرنتھ پنجابی میں کتاب اور صاحب مالک کو کہا جاتا ہے۔ سکھوں کے پانچویں گرو ارجن دیو نے گرو نانک کے اقوال و تعلیمات کو جمع کیا۔ سکھ مت کے نو گروؤں میں درج ذیل گرو شامل ہیں:

1. گرو انگد دیو (۱۵۰۴ء-۱۵۵۲ء)
2. گرو امر داس (۱۴۷۹ء-۱۵۷۴ء)
3. گرو رام داس (۱۵۳۴ء-۱۵۸۱ء)
4. گرو ارجن دیو (۱۵۶۳ء-۱۶۰۶ء)
5. گرو ہر گوبند (۱۵۹۵ء-۱۶۴۴ء)
6. گرو ہری رائے (۱۶۳۰ء-۱۶۶۱ء)
7. گرو ہر کرشن (۱۶۵۶ء-۱۶۶۴ء)
8. گرو تیغ بہادر (۱۶۲۱ء-۱۶۷۵ء)
9. گرو گوبند سنگھ (۱۶۶۶ء-۱۷۳۸ء) (38)

مذہبی رواداری کی جانب راہ دکھاتا یہ مذہب اتنا متشدد ہو گیا کہ اسکی تاریخ مسلسل غارت گری سے بھری پڑی ہے۔ مغلیہ دور زوال یعنی اٹھارویں صدی میں سکھوں کی اسلام دشمنی میں بے حد بڑھی۔ سکھ راہنما بندہ بہادر کی سرپرستی میں سامانہ اور انبالہ میں مسلمانوں پر ایسے مظالم کئے گئے جن کی پہلے کوئی مثال نہیں ملتی۔(39) جب مفتوحہ علاقوں میں مسجد شامل ہوتی تو فوراً ڈھادی جاتی مگر ڈھانے سے پہلے مسجد کے رکھوالوں سے زبردستی اسے سور کے خون سے پاک کیا جاتا تھا۔(40) ۱۷۶۳ء اور ۱۷۶۴ء کے دوران سکھوں نے قصور، مالیر کوٹلہ اور سرہند کے مسلمانوں کا قتل عام کیا پھر بعد میں رنجیت سنگھ کی سفاک اور متشدد حکومت آئی اور یہ بات تو طشت از بام ہے کہ قیام پاکستان کے وقت سکھوں کے ہاتھوں مشرقی پنجاب میں مسلمانوں کا باقاعدہ قتل عام کیا گیا اور لاکھوں مسلمان شہید ہوئے۔ یوں سکھ مت کی اتحاد مذاہب کی کوشش جو اسلام اور ہندو مت کو قریب لانے کے لیے وجود میں آئی تھی مسلم دشمنی میں ایک جنونی محارب فرقے کی شکل میں ڈھل گئی۔ جس کا مقصد ہی مسلمانوں کی تباہی اور ہلاکت آفرینی تھا۔ ہندوستان میں وحدت ادیان کی کوششوں کی ناکامی کی یہ بہت ہی افسوس ناک مثال ہے۔

ہندوستان میں وحدت ادیان کی نسبتاً غیر معروف کوششیں

بھگتی تحریک اور سکھ مت کے علاوہ بھی ہندو مت اور اسلام کے مابین صلح و آشتی اور ملاپ کی کئی علاقائی اور محدود پیمانے پر کوششیں کی گئیں۔ جن میں دونوں مذاہب کی کچھ باتیں لے کر کچھ کو مسترد کیا گیا۔ ان میں اتحاد کی بنیاد دونوں مذاہب میں سے کسی ایک پر ہوتی تھی۔ جب کہ دوسرے مذہب کے کچھ عناصر مستعار لے لئے جاتے تھے۔ کبھی ان دونوں سے ہٹ کر ایک درمیانی رستہ بنا لیا جاتا تھا۔ ابتداً اتحاد مذاہب کے اکثر عقائد خود رو اور بلا ارادہ تھے۔ اس میں زیادہ تر ہندو مت کے مختلف فرقے شامل تھے۔ مسلمانوں میں اتحاد مذاہب میں جو ہندو عناصر پائے جاتے تھے عام طور پر وہ ان عقائد کی باقیات تھیں جو ان میں قبول اسلام کے بعد بھی رہ گئے تھے۔ اتحاد مذاہب کے یہ داعی فرقے ہندوستان میں کوئی عزت و پزیرائی حاصل نہیں کر پائے۔ انہیں صحیح العقیدہ مسلمان اور ہندو عجوبہ خیال کرتے تھے۔ دونوں مذاہب کے مذہبی رہنما ان کی مذمت کرتے اور کئی ان کی اصلاح کی کوششیں کرتے رہے۔ ہندوستان میں پھیلے ہوئے ان کئی فرقوں میں حسینی برہمن، دریا پنتھی، دادو پنتھی، رام سانجی، ست نامی فرقہ، ستیہ پیر کے پیرو، سخی سرور کے پیرو، کاکن، لنگاتی، مرہٹے، ملکان اور میو وغیرہ فرقے قابل ذکر ہیں۔:

حسینی برہمن: دھرما جو مہایانہ بدھ مت کی ترمیم شدہ صورت ہے۔ یہ مسلمانوں کے عہد حکومت میں بنگال میں زندہ رہی۔ یہ مسلم افکار سے بہت متاثر تھی۔ انہیں حسینی برہمن کہا جاتا۔ یہ اونچی ذات کے اتحاد مذاہب کی بہت نمایاں مثال ہیں۔ ان کی اکثر تعلیمات اسلام سے ماخوذ ہیں۔ یہ شیعوں کے مذہبی جلوسوں اور تعزیوں میں شریک ہوتے تھے۔ محرم کے دنوں میں ان کے جو بچے پیدا ہوتے ان کا نام امام حسینؓ کے نام پر رکھتے۔ قرون وسطیٰ میں بنگال کے یہ ہندو مسلمانوں کی دعوتوں میں شریک ہوتے، قرآن سے فال نکالتے تھے۔ وہ شیعہ کے امام حسینؓ سے متعلق جذبات سے بہت زیادہ متاثر تھے۔ اس کے ساتھ وہ حضرت معین الدین چشتی کو بھی بہت مانتے تھے۔ نبی کریم ﷺ کی ایک ہندو اوتار کی طرح عزت کرتے تھے۔ رمضان میں مسلمانوں کی مانند روزے رکھتے، مردوں کو دفناتے مگر برہمنوں کی طرح ماتھے پر تلک لگاتے تھے۔ بھیک صرف مسلمانوں سے ہی قبول کرتے تھے۔ شیعہ میں ان کی بہت عزت تھی۔(41)

دادو پنتھی: دادو پنتھی فرقہ دادو دیال (۱۵۴۴ء-۱۶۰۳ء) کی طرف منسوب ہے۔ یہ مارواڑ کے اضلاعی علاقے سے تھا۔ اکبر کے عہد میں اس نے درویشی اختیار کی اور ایک دنیا اس کی معتقد ہو گئی۔ اس نے اپنے پیروؤں کو بت پرستی سے منع کیا۔ جلالی جانوروں کے گوشت کا چھوڑ دینے کا کہا۔ جانداروں کو تکلیف دینے سے روکا۔ مگر شادی اور دنیاوی کاموں کے ترک میں اختیار دیا۔ اس لیے تارک الدنیا اور

گرہستی والے سبھی لوگ اس کے پیروؤں میں شامل ہو گئے۔ ان میں جب کوئی مر جاتا تو اسے کسی چوپائے پر لاد کر جنگل کی جانب چھوڑ دیا جاتا تاکہ جنگلی جانور اسے کھا کر آسودہ ہو جائیں۔ (42)

دریا پنتھی: اتحاد مذہب کے عقائد کی نشو نما سب سے پہلے سندھ میں ہوئی۔ جہاں سندھ کے قدیم پجاریوں کا مسلمانوں سے اختلاط ہوا۔ دریائے سندھ کی پوجا کرنے والے لوگوں کو دریا پنتھی کہا جاتا ہے۔ یہ دریائے سندھ کو اڈیرو لال کہتے ہیں۔ یہ اندولال ہے جو رفتہ رفتہ بگڑ کر اڈیرو لال ہو گیا۔ ان کے مطابق یہ خدائی اوتار ہے۔ مسلمانوں کے سندھ پر تسلط کے کچھ عرصہ بعد یہ اسے اندولال خضر کا نام دیا گیا۔ پٹیالہ کے جاٹ اب بھی اس کی خوجہ خضر کے نام سے پوجا کرتے ہیں اور جھولے لال، دریا بادشاہ، دولھ دریا، زندہ پیر کے مختلف ناموں سے پکارتے ہیں۔ دریا کے دیوتا کا مندر ٹنڈو آدم کے قریب واقع ہے اسے خضر یا زندہ پیر کی درگاہ بھی کہا جاتا ہے۔ (43)

رام سانچی: یہ ایک ہندو رام چرن جی کے مقلد تھے۔ مسلمانوں کی طرح پنج وقتہ نماز ادا کرتے تھے اور ذات پات کی تفریق کے سخت مخالف تھے۔ ان کے جوگیوں کا ایک گروہ پیغمبر اسلام ﷺ کو گورکھ ناتھ کا چیلا قرار دیتا تھا۔ ان کا ایک فرقہ مسلمانوں کی طرح عبادت کرتا اور گائے کا گوشت کھاتا تھا۔ (44)

ست نامی فرقہ: مشرقی پنجاب میں ۱۵۴۳ء میں بیر بھان نامی ایک سادھو کی پیدائش ہوئی۔ جو بعد میں اپنی تعلیمات کی وجہ سے بہت مشہور ہوا۔ اس کے ماننے والوں کو "ست نامی" یعنی سچ بولنے والے کہا جاتا ہے۔ یہ لوگ غیر متعصب اور ذات پات کے فرق سے آزاد تھے۔ بیر بھان موحد تھا اور اسلامی تعلیمات سے بہت متاثر تھا۔ درج ذیل باتوں سے اس کی وضاحت ہو جاتی ہے:

1. ذات باری تعالیٰ اور اس کی صفات پر ایمان
2. زہد، پرہیز گاری اور خوش اخلاقی پر عمل اور خود نمائی، غرور اور تکبر سے بچ کر سادہ زندگی بسر کرنا
3. برے اعمال و اطوار مثلاً جھوٹ، بد نظری، چوری، اور خراب سوچ سے پرہیز
4. زبان کو لغو کلام اور کان کو فضولیات سننے سے بچانا
5. حرص و لالچ سے پرہیز اور قتل و غارت گری اور لوٹ مار سے بچنا
6. ذات پات و چھوت چھات کے تعصب سے گریز
7. ہمیشہ سفید لباس زیب تن کرنا
8. نشہ آور اشیاء سے مکمل پرہیز
9. صرف ایک ہی بیوی پر اکتفا کرنا اور مرد کو عورت سے افضل سمجھنا
10. جادو ٹونے، بد شگونی اور وہم و خرافات سے گریز کرنا (45)

ستیہ پیر کے پیرو: بنگال میں قصابوں کے سرپرست درویش کو ستیہ پیر کہا جاتا تھا۔ سولہویں صدی عیسوی میں اس کی پیدائش اور مافوق الفطرت قوتوں کے بارے میں کئی قصے مشہور تھے۔ مسلمان ستیہ پیر اور ہندو ستیہ نارائن کہتے تھے۔ مسلمانوں میں یہ غازی میاں کے نام سے بھی معروف تھا۔ اتحاد مذاہب کا داعی تھا۔ کچھ ہندو شاعروں کے نزدیک یہ جوگی اور کچھ کے نزدیک ست نارائن یا وشنو کا ایک روپ تھا اور کئی اسے مکہ معظمہ سے آیا ہوا بزرگ تسلیم کرتے تھے۔ گوڑ (بنگال) کے سلطان حسین (۱۴۹۳ء-۱۵۱۸ء) نے بھی مختلف اغراض کی بنا پر اس کی عزت و توقیر کی اور حوصلہ افزائی کی تھی۔ اس کے دیے گئے عقیدے کے مطابق پوجا "ستیہ نارائن پوجا" کہلاتی ہے۔ بنگال کی متصل ریاست اڑیسہ میں اس نے خاصی مقبولیت حاصل کی تھی جو آج بھی جاری ہے۔ (46)

سخی سرور کے پیرو: عوامی سطح پر ہندو مذہب کی تجسیم پرستی کچھ مسلمان درویشوں کی اتحاد مذاہب کے مبلغ ہونے کی حیثیت کو تسلیم کروانے میں معاون ثابت ہوئی۔ مثلاً حضرت سید احمد (۵۲۴ھ-۵۷۷ھ) جو عام طور پر سلطان سخی سرور اور لکھ داتا کے نام سے مشہور ہیں۔ ان کو کچھ غیر مسلم جاٹ قبائل "نیم ربانی" سمجھتے ہیں۔ حضرت سلطان سخی سرور کے نام سے یہ لوگ سلطانی یا سرور یہ کہلاتے تھے۔ یہ ہر سال دھونکل (ضلع گجرانوالہ، پنجاب) میں جمع ہو کر ان کا عرس کرتے اور مسلمانوں کے طریقے پر صرف مذبوحہ جانوروں کا گوشت کھاتے تھے۔ سکھ مت قبول کرنے والے جاٹ حضرت سخی سرورؒ کو نانک کا رفیق قرار دیتے اور بے حد عقیدت رکھتے ہیں۔ اسی عقیدت کی بنیاد پر سنسکرت کی مشہور نظم "دانی جاتی" وجود میں آئی۔ حضرت سخی سرورؒ کے پیروؤں میں زراعت پیشہ ہندو سلطانیوں کی کثرت ہے۔ ان میں کئی نچلی ذات کے چمار

بھی شامل ہیں۔ یہ سکھوں کے برخلاف کثرت سے حقہ پیتے ہیں اور سر کے بالوں کو کسی بھی طرح رکھنے میں آزاد ہیں۔ (47)

کاکن: جہانگیر (۱۵۶۹ء-۱۶۲۷ء) کے عہد میں کشمیر میں ابرہیم کاک (48) نے ایک گروہ بنایا۔ جو کاکن یا کاک کہلائے۔ یہ موحد تھے مگر اسلامی یا ہندوؤں کی کسی رسم یا تقریب پر عمل پیرا نہیں تھے۔ (49) ان کا شعار تجرد تھا اور وحدت الوجودی ایمان رکھتے تھے (50) ابراہیم ہندو و مسلم سب کو اپنے حلقہ ارادت میں شامل کرتا مگر کسی کو بھی اپنا مذہب چھوڑنے کو نہیں کہتا تھا۔ صرف رام، اللہ اور خدا کے نام لیتا۔ اس نے رات کو لیٹ کر سونے کی بجائے ایک دوسرے سے پیٹھ ملا کر بیٹھ کر رات گزارنے کا طریقہ نکالا۔ اس نے اذان اور گوز دونوں کی آواز کو کلام الٰہی قرار دیا۔ یہ لوگ بھنگ کا بہت زیادہ استعمال کرتے تھے۔ (51)

لنگاتی: ہندو اتحاد مذاہب کے فرقوں میں یہ تعداد میں سب سے زیادہ اور دور دراز تک پھیلا ہوا ایک فرقہ تھے۔ جن گم کے نام سے بھی مشہور تھے۔ یہ لوگ سر کے بال ترشواتے اور جسم پر خاک ملتے مہادیو کی حمد و ثنا کرتے ار اس کو معبود حقیقی سمجھتے تھے۔ ان کے کئی فرقے تھے۔ کچھ گنیش، بھیرو، ہنومان اور درگا دیوی کو آٹھ مختلف روپ میں مانتے تھے۔ (52) انہوں بارہویں صدی عیسوی میں ساحلوں پر آباد ہونے والے عربوں سے کچھ اسلامی نظریات و عقائد اخذ کئے۔ کسی کو اپنے مذہب میں داخل کرنے کے لئے ان کی رسومات اسلامی رسومات کے متوازی ہیں۔ مسلمانوں کی طرح یہ لوگ بھی نکاح کے وقت دلہن کی اجازت لیتے ہیں۔ ان کے ہاں طلاق جائز ہے۔ مردوں کو دفن کرتے ہیں اور نظریہ تناسخ یعنی آواگون پر یقین نہیں رکھتے۔ (53)

مرہٹے: مرہٹہ راجپوتوں کی ایک شاخ ہے۔ یہ قوم مہاراشٹر کی رہنے والی ہے۔ ان کی زبان مراٹھی / مرہٹی کہلاتی ہے۔ ان کے بعض رسم ورواج بھی راجپوتوں کی دوسری نسلوں سے ذرا مختلف ہیں۔ شیواجی مہاراج (۱۶۳۰ء-۱۶۸۰ء) کی شخصیت ان کے لئے ایک اوتار کا درجہ رکھتی ہے۔ یہ شیواجی مسلمان درویشوں کا بہت احترام کرتا تھا۔ اس کے ایک استاد شاہ شریف مسلمان تھے۔ یہ ان کا اتنا خیال کرتا تھا کہ اس نے اپنے دو بیٹو کے نام بھی شاہ جی اور شریف جی رکھے تھے۔ (54) مرہٹوں میں بھی اتحاد مذاہب کو ماننے والا ایک فرقہ موجود تھا۔ اس فرقے کے داعی ایک مسلمان شیخ محمد تھے۔ شیخ محمد نے مرہٹوں کو اسلامی تعلیمات سے روشناس کروایا۔ مگر مسلمان ہونے والے اکثر مرہٹوں نے مکمل طور پر اسلام قبول نہیں کیا۔ شیخ محمد کے پیرو مکہ مکرمہ جا کر حج کرتے تھے۔ مگر اس کے ساتھ ہی یاترا کے لیے مہاراشٹر میں پندھڑپور بھی جاتے تھے۔ (55)

ملکان: ملکان ہندوؤں کی ذیلی ذاتوں مثلاً راجپوتوں، بنیوں اور جاٹوں سے لوگ مسلمان ہوئے تھے۔ مگر ان میں سے اکثر لوگ اپنی زیادہ تر ہندوانہ رسوم سے دست بردار نہیں ہوئے اور انہیں برقرار رکھا۔ حتیٰ کہ انہوں نے اپنے نام بھی ہندوانہ رکھے۔ ذاتی تقاریب میں یہ ہندو

مندروں میں جاتے۔ بیمار میں ہندوانہ انداز میں تیمار داری کرتے۔ مگر اس کے ساتھ مسلمانوں کی مساجد میں نماز پڑھتے، ختنہ کرتے، اور مردوں کو قبرستان میں دفناتے تھے۔ ([56])

میو: میولوگوں کا تعلق پنجاب سے ہے۔ ان کی کئی گوتیں ہیں۔ جن میں دھینگل، چھرکلوت، پاھت، گھٹلیا چوہان، راٹھور وغیرہ شامل ہیں۔ ان لوگوں میں قبول اسلام کے بعد بھی ہندوانہ پوجا اور رسوم باقی ہیں۔ یہ کئی چھوٹے ہندو دیوتاؤں سیانسی، بگتی، لال جی کی پوجا کرتے ہیں۔ پہلے یہ لوگ اپنے نام کے ساتھ رام، سنگھ لگاتے تھے بعد میں اسلام سے منسوب نام بھی رکھنے لگے۔ آج بھی میو کچھ ہندوانہ معاشرتی رسوم بجالاتے ہیں۔ بیٹیوں کو وراثت میں کوئی حصہ نہیں دیتے۔ ([57])

حرف آخر:

وحدت ادیان اور صلح کل کا فتنہ آج ماضی سے کئی گنا زیادہ سنگین صورت اختیار کر چکا ہے۔ خصوصاً پرنٹ، الیکٹرانک اور سوشل میڈیا نے ہر اچھے برے علم کو ہر کسی کی دستگاہ تک پہنچا دیا ہے۔ آج اس کے داعی یہ کہہ کر لوگوں کو پھسلا رہے ہیں کہ اچھائی اور نیکی پر کسی ایک دین یا مذہب کی اجارہ داری نہیں۔ اللہ اور رام ایک ہی ہیں اسے جس نام سے پکارا جائے اس سے مراد ایک ہی ہستی ہے اور یہ کہ تمام ادیان و مذاہب کی منزل مقصود ایک ہی ہے خواہ رستہ (دین) کوئی ہو۔ جبکہ یہ بات مسلمہ ہے کہ اب صرف اسلام اور اس کے جملہ احکامات ہی فلاح دارین کا واحد ذریعہ ہیں اور خصوصاً نجات اُخروی پورے طور پر اسلام کو اپنانے اور اس میں داخل ہونے سے ہی ممکن ہے۔ ماضی میں ہمارے بزرگوں نے خواہ وہ صوفیاء کرام میں سے ہوں یا علمائے کرام میں سے انہوں نے اپنی زندگیاں دین کی درست تعلیمات کے فروغ میں صرف کر دیں۔ یہ انہی کی کوششوں کا نتیجہ ہے کہ آج اسلام اپنی ٹھیک اور صحیح حالت تک ہم تک پہنچ سکا۔ آج ضرورت اس امر کی ہے دینی اداروں سمیت تمام تعلیمی اداروں اور میڈیا کی جملہ شکلوں میں حد درجے احتیاط کی جائے اور درست اور مستند معلومات فراہم کرنے کی بھرپور کوشش کی جائے تاکہ معاشرے میں جاری غلط اور گمراہ کن معلومات کا تدارک کیا جا سکے۔ مگر اس کے لیے ہمیں اپنے ماضی میں ہونے والے اسلام پر مختلف حملوں اور بزرگان دین کی جانب سے اس کے کامیاب دفاع اور تدارک کا علم ہونا بھی بہت ضروری ہے۔ اسی مقصد کے پیش نظر اس ذکر کو اس مختصر مقالہ کو احاطہ تحریر میں لانے کی کوشش کی گئی ہے۔

حواشی وحوالہ جات

1۔ہندومت میں مختلف اوقات میں مختلف فلسفے متعارف کروائے گئے۔ جن میں سے ایک "فلسفہ ویدانت" ہے۔ اسے ہندو تصوف کا نام دیا جاسکتا ہے۔ یہ ویدوں کی تفسیر یعنی "اپنشد" سے ماخوذ ہے۔ اس میں وحدت الوجود پر زور ہے۔ اس کے مطابق "ہر چیز میں بھگوان ہے۔ اس لیے جس کی بھی پوجا کرو اصل میں بھگوان ہی کی پوجا ہے" دیکھیں: میاں، منظور احمد (پروفیسر)، تقابل ادیان و مذاہب، لاہور: علمی بک ہاؤس، ۲۰۰۴ء، ص:۲۸۔

Miyan, Manzoor Ahmed (professor), Taqabul Adyan o mazahab, Lahore : Ilmi book house , 2004, p 28.

2۔سوامی رامانج (۱۰۱۷ء-۱۱۳۷ء) ہندو مصلح تھا۔ مدراس میں ایک تامل ناڈو کے برہمن خاندان میں پیدا ہوا۔ شنکر آچاریہ (۷۸۸ء-۸۲۲ء) کے شاگردوں سے علم حاصل کیا۔ پھر اختلاف رائے کی بنا پر ان سے علیحدگی اختیار کرلی۔ توحید الٰہی کا شدت سے قائل تھا اور الہ کو اچھی صفات کا حامل گردانتا تھا۔ روح اور مادہ کو مخلوق کہتا، عقیدہ تناسخ کا ذکر نہیں کرتا اور ہندوؤں میں اوتار کے عقیدے کا قائل تھا۔ شودروں کے کچھ حقوق کو تسلیم کرتا تھا۔ توحید، رواداری، مساوات کا پرچار کیا اور بت پرستی کی شدید مخالفت کی۔ نجات اخروی کا قائل تھا، جس کے لیے عبادت وریاضت کو لازمی ٹھہراتا تھا۔ میاں، منظور احمد (پروفیسر)، تقابل ادیان ومذاہب، ص:۳۰-۲۹؛ تاراچند، ڈاکٹر، اسلام کا ہندوستانی تہذیب پر اثر، مترجم: چوہدری رحم علی ہاشمی، دلی: آزاد کتاب گھر، ۱۹۶۶ء، ص:۱۳۲۔

Manzoor Ahmed , Taqabul Adyan o mazahab, p:29-30; Tara Chand, Dr, Islam ka Hindustani Tahazeeb par Assar, mutrajim : Chohadry Reham Ali Hashmi, Dili : azad kitaab ghar, 1966, p: 132.

3۔ شنکر اچاریہ (۷۸۸ء-۸۲۰ء) برہمن تھا۔ مالابار کے ساحلی علاقے کالڈی میں پیدا ہوا۔ بچپن سے ہی بہت ذہین وفطین تھا۔ اس وقت ہنوستان کے ساحلی علاقے اسلام سے اچھی طرح آشنا ہوچکے تھے۔ شنکر نے اسلام کی سادہ اور سچی تعلیمات کو قبول کرنے کی بجائے ہندومت کو اسلام اور بدھ مت کی یلغار سے بچانے کے لیے اس میں اصلاح کی ذمہ داری اٹھائی۔ کم عمری میں ہی گھوم پھر کر وسیع علم وتجربہ حاصل کیا۔ ہندومت کی اہم کتب پر حاشیے اور شرحیں لکھیں۔ پھر ہندومت کی حفاظت کے لیے ہندوستان کے چاروں طرف چار خانقاہیں "مٹھ" قائم کیں۔ اسلامی اثرات کے زیر اثر اس کی تعلیم میں توحید کا عنصر نمایاں تھا۔ ہندی وحدۃ الوجود فلسفہ ویدانت کا قائل تھا۔ اس نے ہندوؤں کو ویدک دھرم میں جمع ہونے کی دعوت دی اور ترک دنیا کا درس دیا۔ تاراچند، ڈاکٹر، اسلام کا ہندوستانی تہذیب پر اثر، ص:۱۲۴-۱۲۹۔

Tara Chand, Islam ka Hindustani Tahazeeb par Assar, p: 124-129.

4۔ میاں، منظور احمد، تقابل ادیان ومذاہب، ص:۳۰؛ اتاراچند، سلام کا ہندوستانی تہذیب پر اثر، ص:۱۸۰-۱۸۲۔

Manzoor Ahmed , Taqabul Adyan o mazahab, p: 30; Tara Chand, Islam ka Hindustani Tahazeeb par Assar, p: 180-182.

5۔ قریشی، اشتیاق حسین، برصغیر پاک وہند کی ملتِ اسلامیہ، مترجم: ہلال احمد زبیری، کراچی: شعبہ تصنیف وتالیف جامعہ کراچی، ۱۹۹۴ء، ص۱۴۶۔

e Islamia, mutrajim : Halal Ahmed Zubairi , ِQureshi, Ishtiaq Hussain, Bar e Saghir Pak o Hind ki Mlt Karachi : Shoba Tasneef o Taleef Jamea Karachi, 1994, p: 146.

6۔بنارس جسے وارانسی بھی کہا جاتا تھا، بنارس اسی کا بگڑا ہوا نام ہے۔ ریاست اترپردیش کا ایک تاریخ شہر ہے۔ ایک معروف نام کاشی بھی ہے۔ دریائے گنگا کے بائیں کنارے پر آباد ہے۔ قریشی، برصغیر پاک وہند کی ملتِ اسلامیہ، ص:۱۳۸۔

e Islamia, p: 138.ِQureshi, Barr e Saghir Pak o Hind ki Mlt

7۔ تاراچند، سلام کا ہندوستانی تہذیب پر اثر، ص:۱۸۳۔

Tara Chand, Islam ka Hindustani Tahazeeb par Assar, p: 183.

8۔ قریشی، برصغیر پاک وہند کی ملتِ اسلامیہ، ص:۱۴۶-۱۴۷؛ عزیز احمد (پروفیسر)، برصغیر میں اسلامی کلچر، مترجم: جمیل جالبی، لاہور: ادارہ ثقافت اسلامیہ، ۲۰۱۴ء، ص:۲۲۳-۲۲۴۔

Qureshi, Barr e Saghir Pak o Hind ki Mltِ e Islamia, p: 146-147; Aziz Ahmed (professor), Barr e Saghir mein Islami Culture, mutrajim : JameelJjalbi, Lahore: idaara Saqafat e Islamia, 2014, p: 223-224.

9۔ابوالفضل (علامہ)، آئین اکبری، مترجم: محمد فدا علی طالب، حیدر آباد دکن: دار المطبع عثمانیہ، ۱۹۳۹ء، ۲/۲-۳۔

Abualfazl (Allama), Aeen e Akbari, mutrajim : Mohammad Fida Ali Taalib, Haider abad dakkan: darul matba Usmania, 1939, 2/2-3.

10۔بدایونی، عبدالقادر بن ملوک شاہ، منتخب التواریخ، تہران: انجمن آثار و مفاخر فرہنگی، ۱۳۷۹ھ۔
Badauni, Abdul Qadir bin Maluk Shah, Muntakhab ul Tawareekh, Tehran: Anjuman- i Asar wa Mafakhir-i Farhangi, 1379h.

11۔ محمد اکرام، شیخ، رودِ کوثر، لاہور: ادارہ ثقافت اسلامیہ، ۲۰۱۵ء، ص:۲۳۔
Mohammad Ikram, Sheikh, Rood e Kausar, Lahore: Idaara Saqafat e Islamia, 2015, p: 23.

12۔بدایونی، منتخب التواریخ، ۲/۴۰۴۔
Badauni, Muntakhab ul Tawareekh, 2/404.

13۔ محمد اسلم، دین الٰہی اور اس کا پس منظر، لاہور: ندوۃ المصنفین، ۱۹۶۹ء، ص:۱۸۸۔
Mohammad Aslam, Deen e Ellahi aur is ka Pasmanzar, Lahore : Nadwaul musannefin, 1979, p: 188.

14۔بدایونی، عبدالقادر، منتخب التواریخ، مترجم: محمود احمد فاروقی، لاہور: شیخ غلام علی سنز (پرائیویٹ) لمیٹڈ پبلیشرز، س ن۔ ۲/۴۶۶-۴۷۲۔
Badauni, Abdul Qadir, Muntakhab ul Tawareekh, Mahmood Ahmed Farooqi, Lahore: Sheikh Ghulam Ali sons (private) limited, publishers, N D, 2/466-472.
Publisher. Manoharial Munshiram New Dehli: Dara Shikuh Life and works. Hasrat, Bikarma Jit. - 15
P: 3. 1982.

16۔ قاضی جاوید، برصغیر میں مسلم فکر کا ارتقائ، اسلام آباد: ادارہ ثقافت پاکستان، ۱۹۷۷ء۔ ص:۱۷۱۔
Qaazi Javed , Barr e Saghir mein Muslim Fkar ka Irtiqa, Islamabad: Idaara Saqafat e Pakistan, 1977, p: 171.

17۔ ایضاً۔ ص:۱۷۰۔
Ibid, p: 170.

18۔ محمد میاں، علمائے ہند کا شاندار ماضی، کراچی: مکتبہ رشیدیہ، ۱۹۹۱ء، ۱/۴۵۴-۴۵۶۔
Muhammad Miyan, Ulmaye Hind ka Shandaar Maazi, Karachi: Maktaba Rasheedia, 1991, 1/454-456.

19۔ محمد اکرام، رودِ کوثر، ص:۴۴۴۔
Mohammad Ikram, Rood e Kausar, p: 444.

20۔ ایضاً، ص ۱۵۳:۔
Ibid, p: 153.

21۔ داراشکوہ، سلطان، مجمع البحرین، موٴلف و مترجم: سید یونس شاہ گیلانی، ایبٹ آباد: الگیلان پبلشرز، ۱۰۸۳ء، ص:۷۲۔
22- Hasrat, Bikarma Jit. Dara Shikuh, p: 216.
23 - Ibid, p217.

24۔ مجددی، محمد اقبال، (مقدمہ) مقامات معصومی، لاہور: ضیاء القرآن پبلیکیشنز، ۲۰۰۴ء، ص:۹۰۔
Mujdaddi, Muhammad Iqbal, Maqamat e masoomi, Lahore : Zia al quran pblikishnz, 2004, 90.

25۔ قاضی جاوید، برصغیر میں مسلم فکر کا ارتقائ، ص:۱۷۶۔
Qaazi Javed , Barr e Saghir mein Muslim Fkar ka Irtiqa, p: 176.

26۔ویدانت کے مطالعہ کے بعد دارا اپنشد کی تعلیم حاصل کرنا چاہتا تھا۔ یہ کتاب دارا کے اسی شوق کا نتیجہ تھا۔ بنارس اور کشمیر کے پنڈتوں کی مدد سے مسلسل چھ ماہ کی کوشش سے اس نے باون اپنشدوں کا ترجمہ کیا جس کا نام اس نے "سرِ اکبر" رکھا تھا۔

27۔ قاضی جاوید، برصغیر میں مسلم فکر کا ارتقائ، ص:۱۷۵۔
Qaazi Javed , Barr e Saghir mein Muslim Fkar ka Irtiqa, p: 175.

28۔ شبلی نعمانی، مقالات شبلی، ماہنامہ معارف، اعظم گڑھ: دارالمصنفین، ۱۹۳۸ء، ۷/۱۰۱۔
Shibli nomani, Maqalat e Shibli , mahnamh Muarif , Azam garh: daarul musannefin, 1938, 7/101.

29۔ ندوی، ابوالجلال، سرِ اکبر یا اپنشد، ماہنامہ معارف، اعظم گڑھ: دارالمصنفین، ۱۹۶۴ء، ص:۲۱۲۔
Nadvi, Abujalal, Sirr i Akbar ya Upanishad, mahnamh Muarif , Azam garh: daarul musannefin, 1946, p: 212.

30۔ عبدالرحمٰن، صباح الدین، تیموری شہزادوں کا علمی ذوق، ماہنامہ معارف، اعظم گڑھ: دارالمصنفین، نومبر ۱۹۴۱ء، ص:۳۵۳۔
Abdul Rahman, Sabahuddeen , Taimori shehzaadow ka Ilmi zouq, mahnamh Muarif , Azam garh: daarul musannefin, 1941, p353.

31۔ ندوی، سید نجیب اشرف (مرتب)، رقعات عالمگیر، اعظم گڑھ: دارالمصنفین، س ن، ۱/۳۲۲۔
Nadvi, Sayyad Najeeb Ashraf (Murratib), Rukat e alamgir, Azam garh: daarul musannefin, N D, 1/322.

32۔ عزیز، برصغیر میں اسلامی کلچر، ۲۳۷۔
Aziz, Barr e Saghir mein Islami Culture, 237.

33۔ ایضاً، ص:۲۲۸۔
Ibid, p: 228.

34۔ قادری، محمد انس رضا، اسلام اور عصر حاضر کے مذاہب کا تعارف و تقابلی جائزہ، لاہور: مکتبہ اشاعۃ الاسلام، ۲۰۱۷ء، ص:۴۵۵۔

Qadri, Mohammad Anas Raza,Islam aur asar e haazir ke mazahab ka taaruf o taqabli jaiza, Lahore: maktaba Ashatul Islam, 2017, p: 455.

35۔ گرو کا ایک معنی بھاری ہے یا سب سے بلند ہے۔ یہ دو الفاظ کا مرکب ہے "گو" "رو" گو کا معنی اندھیروں کا دور کرنے والا اور رو کو معنی روشنی پھیلانے والا ہے۔ مکمل علم رکھنے والے باشعور مرد کو گرو کہا جاتا ہے۔ گرو نانک کے مطابق کوئی بھی کسی استاد کامل (گرو) کے بغیر خدا کو پا نہیں سکتا۔ گرو اس کے دل سے دنیا کی محبت نکال کر اسے پاک کرتا ہے اور سچائی سے روشناس کرواتا ہے۔ قادری ،اسلام اور عصر حاضر کے مذاہب کا تعارف و تقابلی جائزہ، ص:۴۶۲۔

Qadri, Islam aur asar e haazir ke mazahab, p: 462.

36۔ عبد الرحمٰن، صباح الدین (سید)، ہندوستان کے عہد وسطیٰ کی ایک جھلک، اعظم گڑھ: دار المصنفین شبلی اکیڈیمی، ۱۹۵۸ء، ص:۳۵۰-۳۵۱۔

Abdul Rahman, Sabahuddeen, Hindostan ke Ahd e wusta ki ek jhalak, Azam garh: daarul musannefin, Shibli academi, 1957, p:350-351.

37۔ ایضاً، ص:۴۴۹۔

Ibid, p: 449.

38۔ قادری، اسلام اور عصر حاضر کے مذاہب کا تعارف و تقابلی جائزہ، ص:۴۵۷۔

Qadri, Islam aur asar e haazir ke mazahab, p: 457.

39 - Khuwant Singh, The Sikhs, London: George Allen & Unwin, p: 88-91.

40- J. C. Archer, The Sikhs, London: Princeton, 1946, p 232.

41۔ عزیز، بر صغیر میں اسلامی کلچر، ص:۲۳۵-۲۳۶۔

Aziz, Barr e Saghir mein Islami Culture, 235-236.

42۔ اسفندیار، کیخسرو، دبستان مذاہب، تعلیقات: رشید احمد جالندھری، لاہور: ادارہ ثقافت اسلامیہ، ۲۰۲۰ء، ص:۲۲۳۔

Asfandyar Keykhosrow, Dabestan e Mazaheb, taliqat: Rasheed Ahmad Jalandhri, Lahore: idara Saqaft e islamia,2020, p: 223.

43۔ عزیز، بر صغیر میں اسلامی کلچر، ص:۲۳۳۔

Aziz, Barr e Saghir mein Islami Culture, 233.

44۔ ایضاً، ص:۲۳۶۔

Ibid, p: 236.

45۔ منظور، تقابل ادیان و مذاہب، ص:۳۲۔

Manzoor, Taqabul e Adyan o Mazaheb, p: 32.

46- R D Sen, The Folk Literature of Bengal, Uneversity of Calautta, 1932, p: 101-103; https://ur.tattooartpedia.com/754283-satya-pir/7-7-2022-

47۔ محمد اکرام، شیخ، آبِ کوثر، لاہور: ادارہ ثقافت اسلامیہ، ۲۰۱۵ء، ص:۸۲-۸۳۔

Kausar, Lahore: Idaara Saqafat Islamia◌ِMohammad Ikram, Sheikh, Aab

48۔ پروفیسر عزیز احمد کے مطابق یہ کشمیری برہمن تھا۔ دیکھیں: عزیز، بر صغیر میں اسلامی کلچر، ص:۲۳۶۔

Aziz, Barr e Saghir mein Islami Culture, 236.

49۔ ایضاً.

Ibid.

50۔ پھلوری، شردھا رام (پنڈت)، اصول مذاہب، لاہور: مطبع متر و لاس، ۱۸۹۶ء، ص:۲۳۸۔

Phillauri,, Shardha Ram, Usool e Mazahib, Lahore: Matba Metrwlas, 1895, p: 238.

51۔ کیخسرو، دبستان، ص:۲۲۲۔

Keykhosrow, Dabestan, p: 222.

52۔ ایضاً، ص:۲۱۸۔

Ibid, p: 218.

53۔ عزیز احمد، بر صغیر میں اسلامی کلچر، ص:۲۳۶۔

Aziz, Barr e Saghir mein Islami Culture, 236.

54۔ ایضاً، ص:۲۳۷۔

Ibid, p: 237.

55۔ ایضاً، ص:۲۳۸۔

Ibid, p: 238.

56۔ ایضاً، ص:۲۳۷۔

Ibid, p: 237.

57۔ ایضاً، ص:۲۳۸۔

Ibid, p: 238.